© rasailojaraid.com

حکیم عبدالرحمٰن خلیق

قسط نمبر ۱۱

حضرۃ عمروؓ بن العاصؓ

وہ مجرم جس نے کوئی جرم نہیں کیا!

جس کی عظمت سیاسی اور گروہی تعصب کی نذر ہو گئی

احوالِ واقعی

بات دراصل یہ ہے کہ روایات میں ندرت پسندی کے رجحان نے ان روایات کی اصلیت قائم نہیں رہنے دی اور وہ واقعہ کی بجائے افسانہ بن گئی ہیں اور اپنی ثقاہت کو کھو بیٹھی ہیں۔ ورنہ صورتِ حال وہ نہیں ہے جو گروہی تعصب اور سیاسی ضرورت مندیوں کی صنعت کاری ہمارے سامنے پیش کی ہے۔

واقعہ صرف اتنا ہے کہ حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ اور حضرت امیر معاویہؓ باہم دگر غلط فہمیوں کا شکار ہو کر بہ سر پیکار ہو گئے اور اس مرحلہ پر جن لوگوں نے غلط فہمیوں کے ازالہ کی غرض سے یا فریقین کو ایک دوسرے کا موقف سمجھانے کے لیے سفارتوں کے فرائض سرانجام دیے انہوں نے اپنی مہم کی سرانجام دہی میں کچھ زیادہ بصیرت اور سیاسی سوجھ بوجھ کا ثبوت مہیا نہ کیا بلکہ علاوہ ازیں ان کی سفارتی ناپختگی اور نہ تجربہ کاری [illegible] بعض شعوری طور پر امداد مہیا کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بالخصوص معاویہؓ جیسے بلند مرتبہ مدبر، اونچے درجے کے دانشمند اور طاقت ور حریف کو ہموار کرنے کے لیے جس قسم کے ارباب فہم و فکر اور اصحاب نظر و بصر کی ضرورت تھی ان کے پاس جانے والے بزرگ یا تو اس سطح کے لوگ نہیں تھے یا اگر انہیں فصل قضایا کے زیر عنوان مطلوبہ فراست سے بہرہ حاصل ہی تھا تو وہ بدقسمتی سے اپنی صلاحیتوں کو ضرورت کے مطابق بروئے کار نہ لا سکے اور ان کی گفتگو کے اسلوب سے اکثر اشتعال و غیض کی فضا ہی تخلیق پاتی رہی۔ ناچار دونوں کے درمیان فیصلہ کے لیے تلوار کے خونخوار قاضی کو ہی مداخلت کرنی پڑی۔

پھر جب مسلمانوں کا خون خود مسلمانوں کے ہی ہاتھوں یوں بے دریغ بہنے لگا اور مسلمان کی تلوار مسلمان ہی کے خون میں نہا کر اچھلنے لگی تو انہی میں سے کچھ لوگ پھر اس دردناک صورت حال پہ آنسو بہاتے نکلے اور جنگ کی صفوں میں ہی صلح کی باتیں ہونے لگیں وہ لوگ اچانک سوچنے لگے کہ ہم راہ بھٹک گئے ہیں وہ دراصل کچھ اور چاہتے تھے مگر یہ کچھ اور ہی ہونے لگا ہے، وہ کعبہ کی سمت نکلے تھے مگر یہ کیا ہوا کہ وہ ترکستان کی راہ پہ چل نکلے انہیں بہت دیر بعد اپنی غلطی کا احساس ہوا کیوں کہ اس وقت تک اتنی بڑی تعداد میں مسلمان خود مسلمان کے ہی غضب و غصہ کا شکار بن چکے تھے کہ اگر ان کا رخ کفر کی طرف ہوتا تو وہ اب تک آدھی دنیا فتح کر چکتے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ نہ تو معاویہؓ نے ہی اس غرض سے خروج کیا تھا کہ مسلمان مسلمانوں ہی کے ہاتھوں تہ تیغ ہوں اور نہ ہی عمروؓ بن العاص ہی فلسطین کے دور دراز سفر سے چل کر اس لیے یہاں آئے تھے کہ اہلِ حق کے ہاتھوں اہلِ حق کے کشتوں کے پشتے لگا دیے جائیں۔

ان لوگوں کا مقصد صرف اتنا ہی تھا کہ عثمانؓ کے قاتلوں سے ان کے خون کا قصاص لیا جائے، اور یہ مطالبہ بجا طور پر وقت کے خلیفہ سے ہی کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ حضرت علیؓ سے کہا گیا کہ:

"آپ اپنی خلافت کی بسم اللہ اسی امر سے فرمائیے"

مگر وہ اس مرحلہ پر اپنے آپ کو اس امر پر آمادہ نہ کر سکے کہ یہ مطالبہ تسلیم کریں پھر بات چل نکلی اور حالات کی ستم ظریفی ہے۔ کہ

بات چل نکلی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے

اچانک ہی جہاد نے فساد کا رنگ بدلا اور عثمانؓ کے ساتھ مزید لاتعداد مسلمانوں کے مقدس خون کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قصاص طلبی واقعات کے آئینہ میں اچھلنے اور پھلانگنے لگی۔

عمروؓ بن العاص کی دور اندیشانہ فطرت نے سبقت کی اور معاویہؓ کو مجبور کیا کہ چونکہ جنگ یکسر غلط خطوط پر چل نکلی ہے۔ اس لیے اس کو فی الفور بند کر دیا جائے۔ چنانچہ باہمی مشورہ سے اس سیلاب خون کے سامنے قرآن کریم کی ثالثی کا مضبوط بند استوار کر دیا گیا اور جیسا کہ توقع تھی جنگ انہی قدموں پر رک گئی۔

خونریزی ختم گئی۔ تلواریں میانوں کے اندر چلی گئیں اور لوگ میدانِ جنگ سے ہٹ کر مجلس مصالحت کی طرف سمٹ آئے۔ فریقین کے نمائندے صورتِ حال پر غور کرنے کے لیے ایک جگہ جمع ہوئے اور باہمی افہام و تفہیم سے انہوں نے ایک فیصلہ ترتیب دیا جو درحقیقت حضرت علیؓ کے خلاف تھا۔

جب یہ فیصلہ سامنے آیا تو حضرت علیؓ نے یہ کہہ کر اس فیصلہ سے انکار کر دیا کہ:

"حکمین نے اپنے حدود اور اختیارات سے تجاوز کیا ہے"

اور بات اس پر ختم ہوگئی۔

اس ساری کارروائی میں عمروؓ کا صرف اتنا ہی قصور ہے کہ وہ اپنے فریق مقابل حضرت ابوموسےٰؓ کے مقابلہ میں زیادہ دانشمند، زیادہ سمجھدار اور زیادہ معاملہ فہم واقع ہوئے تھے اور انہوں نے اپنے فریق کا مقدمہ اس قابلیت سے لڑا کہ بالآخر فیصلہ انہی خطوط پر مرتب ہوا جن پر عمروؓ نے نشان لگایا تھا۔

عمروؓ نے دورانِ بحث اپنے موقف کو اتنے مؤثر اور مدلل اسلوب سے بیان کیا ہے کہ ابوموسےٰؓ کو ہر جگہ ان کے مقابلہ میں جھکنا پڑا ہے اور پھر ان کی سحر کار وکالت کی انتہا یہ ہے کہ بالآخر حضرت علیؓ کی معزولی کی تجویز بھی خود علیؓ کے مقرر کردہ حکم نے ہی پیش کی۔

اس مرحلہ پر عجیب تر بات یہ ہے کہ حضرت علیؓ اور معاویہؓ نے تو پھر کچھ عرصہ بعد صلح کر لی اور ملک کو آپس میں بانٹ کر ایک دوسرے کو اپنی اپنی قلمرو کا جائز اور قانونی حاکم تسلیم کر لیا اور اس طرح ان بزرگوں نے اپنی باقی زندگی بھی پر امن بنالی اور مسلمانوں کو بھی حیات کی ہولناکیوں سے نجات دلا کر ساحلِ امن پر لا اتارا۔ مگر یہ افسانہ طراز لوگ جو تاریخ کے نام سے ناول نویسی میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لگے تو ان کے قلم نے اپنی جنبش پر ایک ایک داستانِ امیر حمزہؓ تصنیف کر کے رکھ دی۔ بالخصوص شیعہ راویوں اور اہلِ قلم نے تو عام عالمِ اسلام کے اہلِ بیت رسولؐ سے محبت اور والہانہ وابستگی سے اس قدر فائدہ حاصل کیا کہ خود انہی کے قلم سے انہی کے بزرگوں کی آبرو سندی کا سینہ بار بار چاک کروایا اور انہی کے ہاتھوں خود انہی کے رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو اتنے کچوکے دلوائے کہ وہ چکرا چکرا کر گرے۔ اور مبہوت ہو ہو کر رہ گئے۔

کیا غضب ہے کہ وہ لوگ جو جسدِ اسلام کی آبرو ہیں۔ ان کی ڈاڑھیاں تاریخ کے رسوا کذابوں، ابومخنفوں اور واقدیوں کے ہاتھوں میں پکڑی ہیں اور پھر یہ سکر پذیری بھی عجیب ہے کہ آج ہمارے نابغۂ دہر قسم کے علامہ و فہامہ بزرگ انہی کذاب واقدیوں، ابومخنفوں اور محمد بن کلبی وغیرہ کے کذب آثار گستاخ نقوش قلم کی حمایت میں دلیلیں دینے لگے ہیں۔ آہ سے

اپنی منقاروں سے حلقہ کس رہے ہیں دام کا
طائروں پر سحر ہے صیاد کے اقبال کا

واقدی کے حق میں یہ دلیل کتنی اچھوتی ہے کہ:

"یہاں واقدی سے بے نیاز کون رہ سکا ہے"؟

جواباً گزارش ہے کہ واقدی کے کہے پر ایمان لانا آخر کتاب و سنت کے کس حکم سے مستنبط ہے؟

اس صورتِ حال کا نتیجہ وہ اختلاف و انتشار ہے جس نے امت کی تاریخ کو قتل و خون اور فساد و خصومت کی تاریخ بنا دیا [illegible]

نہ مل سکا۔ اتحاد کی تسبیح جو ایک بار ٹوٹی تو پھر اس کے دانے منتشر ہی رہے اور جب سے اب تک صورتِ حال بدستور ہے۔

اور یہ سارا جھگڑا جن بزرگوں کے نام سے کھڑا ہوا ہے ان کا حال خود یہی مؤرخ ہمیں یوں بتاتے ہیں کہ:

"معاہدۂ تحکیم کی ناکامی کے بعد کچھ عرصہ تک اگرچہ علیؓ اور معاویہؓ بامر مجبوری فریقِ جنگ بنے ہی رہے تھے مگر دل سے دونوں ہی اس صورتِ حال پر سخت ناخوش تھے اور وہ اپنے دل و دماغ اور عقل و فکر کی ساری توانائیاں اس بات کے لیے صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کر رہے تھے کہ جیسے بھی ہو قتل و خون اور لڑائی جھگڑے کا یہ سلسلہ ختم ہونا چاہیئے، تاکہ مسلمان پھر بحکم اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ بھائی بھائی بن کر رہ سکیں اور وہ دور ایک بار پھر لوٹ آئے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی الہام آشنا فطرت کی نگرانی میں تشکیل پایا تھا۔

چنانچہ علیؓ اور معاویہؓ کی اس خیر اندیشی اور خیر سگالی نے دونوں کو گفتگوئے صلح پہ آمادہ کیا اور وہ کچھ عرصہ تک طویل خط و کتابت میں معروف رہنے کے بعد بالآخر جنگ بندی کے باہمی معاہدہ پہ راضی ہو گئے۔

طبری نے اس ذیل میں دو روایات نقل کی ہیں:۔ علیٰحدہ لگائیں

(۱) "۴۰ھ میں فریقین نے قرارداد باہمی کے ذریعہ جنگ بندی قبول کر لی اور معاہدہ کے بموجب عراق کا ملک علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حکومت میں شمار ہوا اور شام کو معاویہؓ کی سلطنت تسلیم کر لیا گیا۔ نیز طے پایا کہ اب فریقین (یعنی علیؓ اور معاویہؓ) میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کے علاقہ پہ لشکر کشی نہیں کرے گا اور نہ ہی کسی قسم کی لوٹ مار کی جائے گی۔" ؎۱

دوسری روایت کے بموجب:۔

"خود حضرت امیر معاویہؓ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ہی حضرت علیؓ کو تحریر کیا کہ اگر تم چاہو تو یوں فیصلہ کر لو کہ عراق کی حکومت تمہارے حصہ میں ہو اور شام کی حکومت میرا حق ہو تاکہ امت سے تلوار رک جائے اور مسلمانوں کے خون نہ بہیں۔ اس پر حضرت علیؓ راضی ہو گئے۔ پھر اس کے بعد معاویہؓ کے لشکر شام اور اس کے گرد و نواح کی دیکھ بھال کرتے تھے اور حضرت علیؓ نے ملک عراق اور اس کے گرد و نواح کا انتظام سنبھال لیا۔" ؎۲

اور پھر یہ کام نہایت ہی خوش اسلوبی سے چلتا رہا یہاں تک کہ اگلے برس حضرت علیؓ ایک خارجی کی تلوار کا شکار ہو کر اپنے اللہ کو پیارے ہو گئے ؎

بنا کردند خوش رسمے بخاک و خون غلطیدن خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

(جاری ہے)

© rasailojaraid.com